ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں ـــــ ۳

گلابو چوہیا اور پری زاد

اور

ننھو بھیا کی عقل مندی

قدسیہ زیدی

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دہلی

مارچ ۱۹۷۲ء (چیترا ۱۸۹۳)

قیمت: ۲/۰۰

GULABO CHUHIYA AUR PARIZAD

(URDU)

تقسیم کار

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی ۲۵، دہلی ۶، بمبئی ۳، علی گڑھ ۲

ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا نے برنی آرٹ پریس
(پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی ۶ سے چھپوا کر شایع کیا۔

پیش لفظ

بچپن میں کہانیاں سُننے اور پڑھنے کا شوق کسے نہیں ہوتا۔ بچّوں کے لیے ، نانی ، دادی کی اہمیّت اِس لیے بھی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ اُنھیں کہانیاں سُناتی ہیں! کہانیاں جن سے وقت بھی گزرتا ہے ، معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور زندگی بسر کرنے کا سلیقہ بھی آتا ہے۔

اُردو میں ایسے ادیب گنے چُنے ہی ہیں جنھوں نے باقاعدہ پروگرام کے ساتھ بچّوں کے لیے ادب تخلیق کیا ہے۔ ایسے ادیبوں میں ہمارے ہندوستان کے مرحوم صدر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین کا

نامِ نامی سرِ فہرست ہے ۔ آپ کو بچّوں سے بے حد محبت تھی اور اِسی واسطے سے بچّوں کے لیے اچھّے ادب کی تخلیق سے بھی بہت دلچسپی تھی ۔ آپ نے بچّوں کے لیے خود بھی لکھا ، دوسروں سے بھی لکھوایا اور ایسے فنکاروں کی ہمّت افزائی کی جو بچّوں کے ادیب اور شاعر تھے ۔

مرکزی وزارتِ تعلیم کی نشاندہی پر نیشنل بک ٹرسٹ ، انڈیا نے مرحوم صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں ، بچّوں کے لیے کتابیں شایع کرنے کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے ۔ زیرِ نظر کتاب اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔

ڈاکٹر بال کرشن کیسکر

نئی دہلی
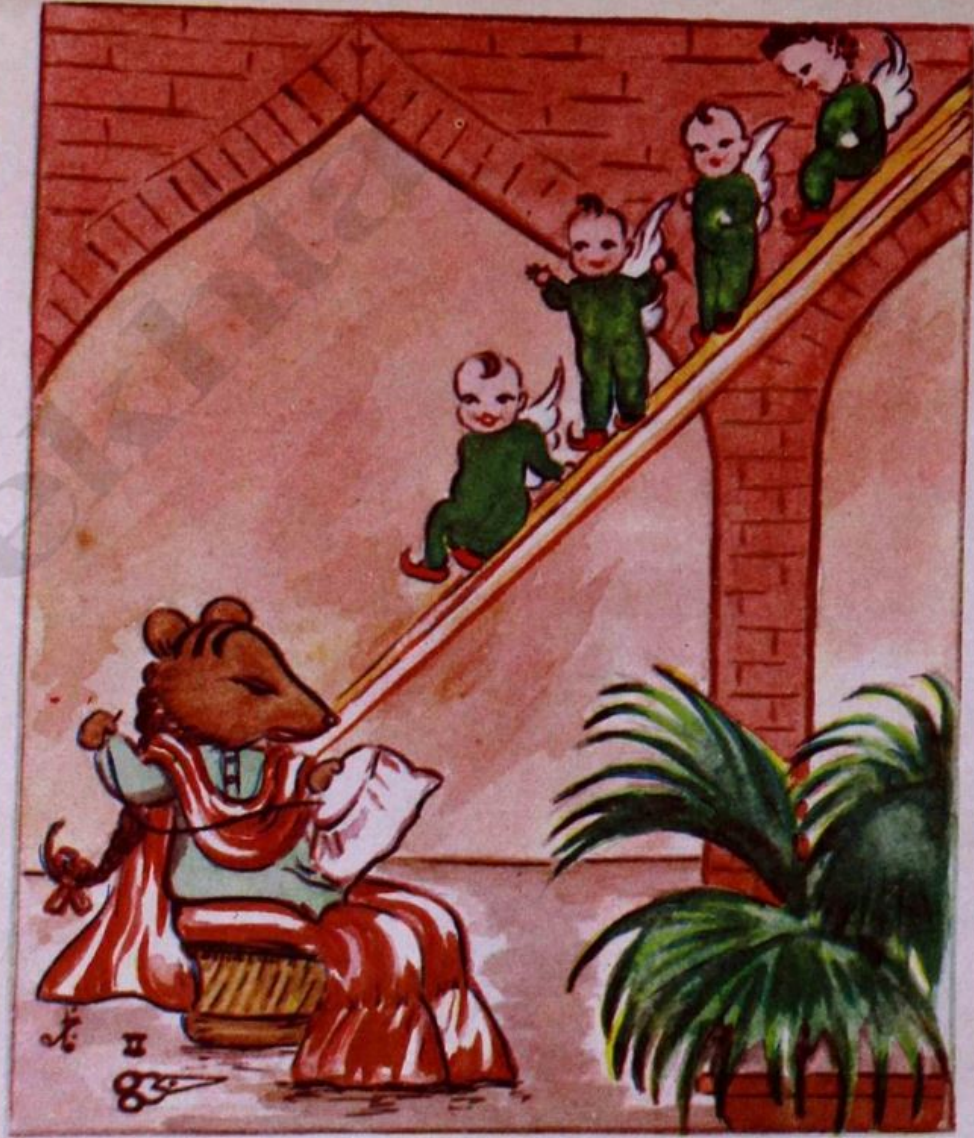
گُلابو چُوہیاّ اور پری زاد

جُمعہ کا دِن تھا۔ سُورج نِکل آیا تھا۔ بی گُلابو چُوہیاّ نہا دھو کر اپنی خُوب صُورت اوڑھنی اوڑھے برآمدے میں بیٹھی کچُھ سی رہی تھیں۔ کہ اِتنے میں ایک کِرن برآمدے میں چمکی۔ گُلابو نے دِل میں کہا ”کیا ہی اچھّا ہو اگر کِرنوں کا پری زاد ایک بار پھر آ جائے۔“

کہنے کی دیر تھی کہ کسی کی آہٹ سُنائی دی اور پل بھر

میں "آداب عرض ہے!" کہتا ہوا ایک پری زاد ہرے کپڑے پہنے کرنوں کی سیڑھی پر سے اُترا۔ اُس کے پیچھے پیچھے تین اور پری زاد تھے۔

"مجھے تمھارے گھر کی کرن بڑی مشکل سے ملی۔ میں اپنے ساتھ آج اپنے تین دوستوں کو بھی لایا ہوں۔ مجھے تو جھل مل کہتے ہیں۔ یہ جگ مگ ہیں۔ اِن کا نام جھم جھم ہے اور اِن کو جگنو کہتے ہیں۔"

"واہ وا! کیسے خوب صورت نام ہیں۔ آیئے تشریف رکھیے۔ بہت ہی اچھّا ہوا کہ آپ لوگ آ گئے۔ آج چائے کی دعوت رہے گی۔"

بی گلابو خود تو چائے بنانے گئیں اور پری زادوں کو اور چیزیں لانے گودام میں بھیج دیا۔ پھر کیا تھا کوئی تو طاق پر چڑھ بیٹھا،
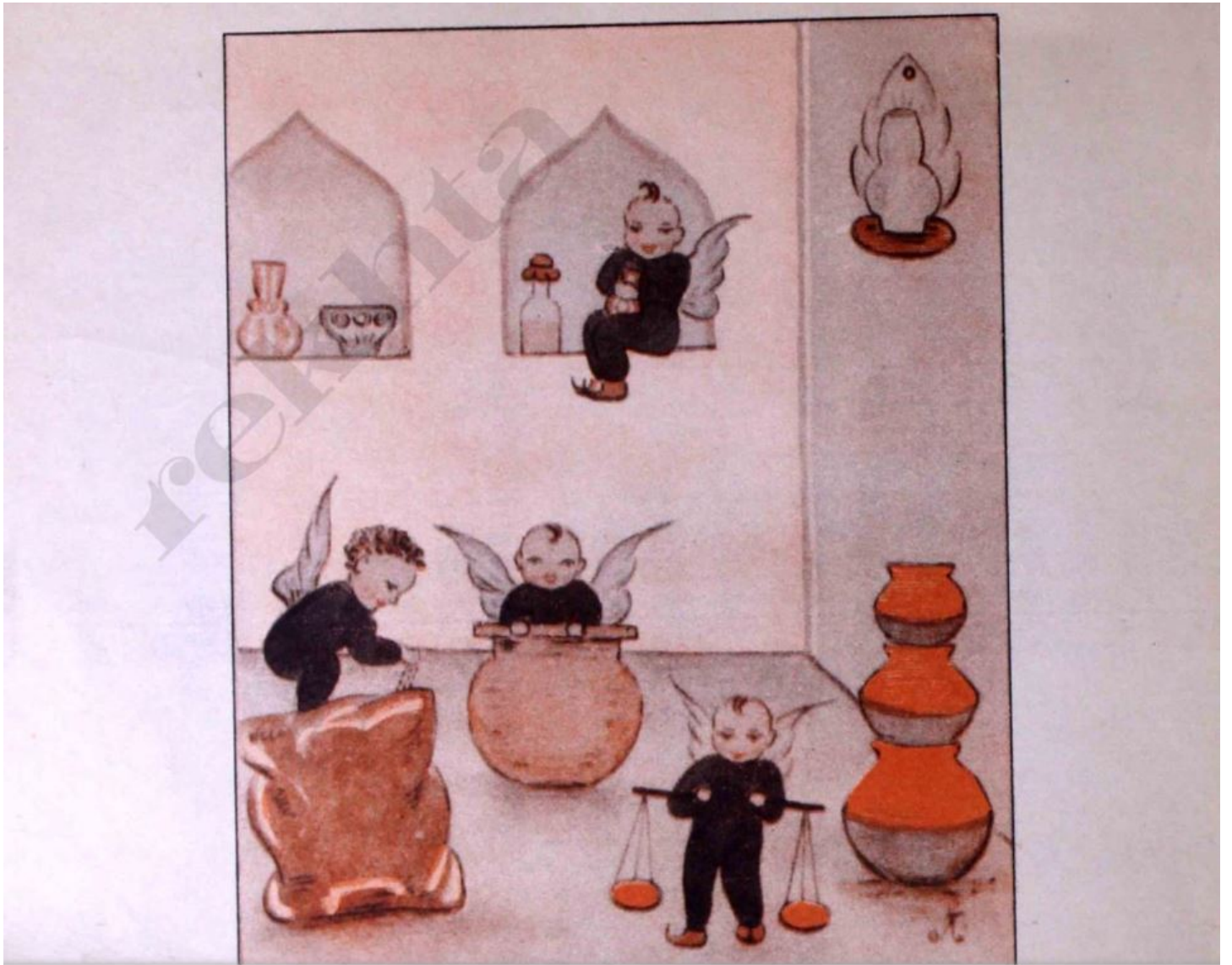
کسی نے شکر کی مٹکی پر قبضہ جمایا، کوئی آٹے کی بوری پر کودنے لگا، کوئی ترازو سے کھیلنے لگا، غرض خوب اودھم مچا۔

بی گلابو نے جمعرات کی شام کو کچھ قلاقند اور نمک پارے بنائے تھے۔ تھوڑے سے رس گلّے اور کچھ برفی بھی تھی۔ اُنھوں نے جھٹ پٹ باغ میں درخت کے نیچے دسترخوان بچھا دیا۔ اور اڑوس پڑوس کی کچھ اور چوہیوں کو بھی ان کی امّی اور ابّا سے اجازت لے کر بلوا لیا۔

خوب مزے کی دعوت ہوئی۔ اِس کے بعد 'چور سپاہی'، 'آنکھ مچولی'، کئی کھیل کھیلے گئے۔ یہ دھما چوکڑی مچ ہی رہی تھی کہ سڑک پر سے قلفی والے نے آواز لگائی "ملائی کی قلفی پستے بادام والی"۔ یہ سُننا تھا کہ سب کھیل ویل چھوڑ برف والے کے پاس جا دھمکے۔ وہاں شیرا نیولا قلفیوں کی مٹکی رکھے دکان لگائے بیٹھا تھا۔

"ارے قُفلیاں "، سب چوہیاں چٹخارے لے لے کر کہنے لگیں۔
"ٹھیرو! میں اپنا بٹوا لے آؤں" یہ کہہ کر بی گُلابو اپنا بٹوا لینے دوڑیں۔
"یہ قُفلیاں کیا چیز ہیں؟" پری زاد پوچھنے لگے۔
"کیا تُمھارے کِرن دیس میں ملائی کی برف نہیں ہوتی؟" ایک چوہے نے پوچھا۔ اتنے میں بی گُلابو اپنا بٹوا لے کر آپہنچیں۔ اُنھوں نے یہ بات سُن لی، بولیں:
"ٹھیک تو ہے وہاں تو اِس قدر گرمی ہوتی ہے کہ برف کاہے کو جمتی ہوگی"۔
گُلابو نے سب کو ایک ایک قُفلی خرید دی۔ مگر پری زاد اِتنے ننّھے ننّھے سے تھے کہ اُنھوں نے آدھی ہی آدھی لی۔

"آہا" شیرا بولا : "تمھارے ہاں تو آج خُوب مہمان آئے ہیں اور دعوتیں اُڑ رہی ہیں"

گُلابو بولیں : "جی ہاں یہ مہمان کرن دیس سے آئے ہیں اور آج دِن بھر ہمارے ساتھ رہیں گے"

پری زادوں کو بڑا اچنبھا ہو رہا تھا ۔ کیونکہ اُنھوں نے آج تک کبھی برف کی قُلفی نہیں کھائی تھی ۔ شروع میں تو اُنھیں کچُھ زیادہ پسند نہیں آئی لیکن تھوڑی سی کھانے کے بعد بڑے مزے کی معلوم ہونے لگی اور وہ اپنے اپنے حصّے کی آدھی آدھی قُلفی کھا کر چمچ چاٹنے لگے ۔

پری زادوں کا قُلفیاں کھانا تھا کہ آفت آگئی جیسے ہی ٹھنڈی ٹھنڈی برف اُن کے پیٹ میں پُہنچی سردی کے مارے

اُن کا بُرا حال ہوگیا۔ ہونٹ نیلے پڑ گئے اور سارا جسم اکڑ گیا۔

"ہائے یہ کیا غضب ہوگیا؟" گُلابو بولیں: "ارے اِنھیں جھٹ پٹ گرمی پہنچاؤ۔ چلو جلدی سے باورچی خانے میں لے چلیں۔"

گلابو نے جھٹ پٹ جِھل مِل کو اور دوسری چوہیوں نے جگ مگ، جھم جھم اور جُگنو کو اُٹھا لیا اور باورچی خانے میں لے آئیں۔

فوراً آگ جلائی گئی اور روئی گرم کر کر کے پری زادوں کی سِکائی شروع ہوئی۔

ایک چھوٹی چوہیا پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ اسے یہ ڈر تھا کہ شاید اب پری زادوں کے بدن میں کبھی گرمی

نہ آئے گی۔

"رو مت یہ ابھی ٹھیک ہوئے جاتے ہیں ذرا برف پگھل جائے"۔ گلابو نے چوہیا کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

اِس نے فوراً تھوڑا سا دودھ گرم کیا اور پری زادوں کو پلایا۔ دودھ پینا تھا کہ ان کے چہروں پر پھر سُرخی جھلکنے لگی اور ہاتھ پاؤں کی اُنگلیاں ہلنے لگیں۔

"اب میں اچھّا ہوں"۔ جِھل مِل بولا۔" مگر آج سے کان پکڑے اب کبھی قُلفی نہیں کھانے کا"۔ اِس کے بعد جگ مگ جھم جھم اور جُگنو کو بھی ہوش آگیا۔ اور وہ بھی کہنے لگے:۔

"یا اللہ توبہ! اب کبھی برف نہیں کھائیں گے"۔

اس وقت تک سب پری زاد خوب گرم ہو گئے تھے۔

اور سورج بھی ڈوبنے کو تھا۔ اِس لئے اُنھوں نے کہا :۔
"بہتر ہے کہ اب ہم رُخصت ہو جائیں۔ کہیں کِرنیں غائب ہوگئیں
تو اور مصیبت آجائے گی ہم اپنے دیس کو واپس نہ جاسکیں
گے۔"
گُلّابو نے چلتے وقت اُنھیں ایک ایک کِھلونا دیا، پھر
برآمدے میں پُہنچے اور اُس کِرن کو ڈھونڈنے لگے جس سے وہ
اُترے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ کِرن مِل گئی۔
"خُدا حافظ بی گُلّابو! ــ آپ کی دعوت کا بہت بہت
شُکریہ۔" پھر اُنھوں نے دوسری چوُہیوں کو خُدا حافظ کہا۔
جب پری زاد رخصت ہونے لگے تو چوُہیوں نے پھر آنے
کا بُلاوا دیا۔

جھل مِل بولا: "آپ کے بُلاوے کا بہت بہت شُکریہ، ہم بہت خوشی سے آئیں گے مگر اب کے ہم قُلفیاں نہیں کھائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، ہم بھی نہیں کھائنے کے" دوسرے پری زاد بولے۔

سب کے سب کرن پر سوار ہو کر ذرا سی دیر میں چوہیوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

اِس کے بعد سب چوہیوں نے گُلابو کے ساتھ مِل کر دعوت کے سب برتن اکٹھے کیے اور اُنھیں دھو دُھلا کر الماریوں میں رکھ دیا۔

ایک ننّھی سی چوہیا بولی: "خُدا کا شُکر ہے کہ ہم برف

کھا کر اِن کی طرح جم نہیں جاتے ورنہ ہم کو بھی قُفلی کھانا نصیب
نہ ہو!"

اِس کے بعد سب نے بی گُلابو کو خُدا حافِظ کہا اور اپنے
اپنے گھر رخصت ہو گئے۔
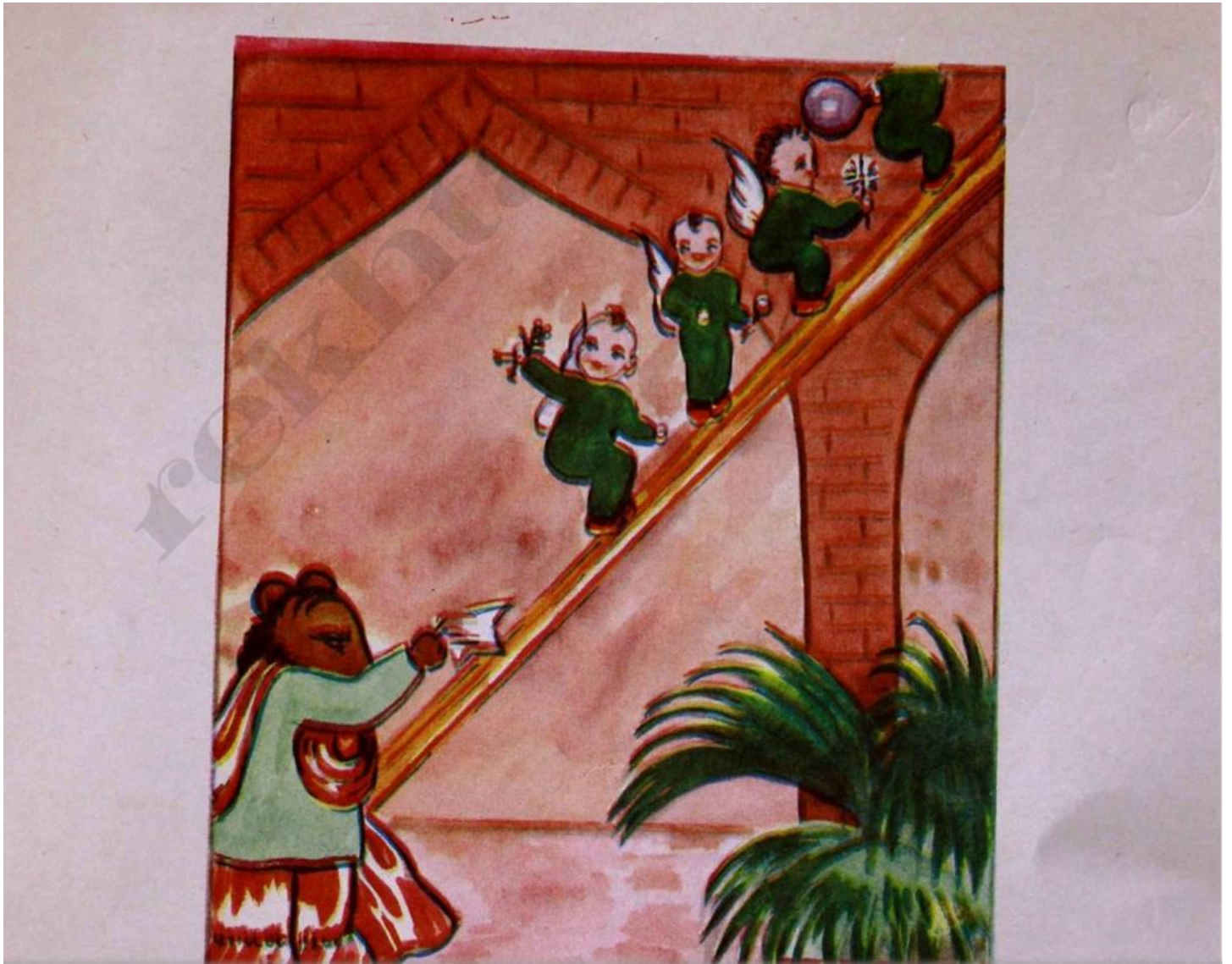
بِجّو بھیّا کی عقل مندی

آج چھبیلی چُوہیّا کا جنم دِن تھا جِس کی خُوشی میں اُس نے اپنی دوست کِرن اور اُس کے میاں چندا کو بُلایا تھا۔ چائے کی پیالیاں میز پر قرینے سے رکھّی تھیں۔ اور طرح طرح کی مٹھائیاں پلیٹوں میں سجی تھیں۔ ایک میں پستے کی لوز، ایک میں برفی، ایک گہری پلیٹ میں عُمدہ رَس گُلّے، اور ایک رکابی میں گرم گرم خستہ کچَوریاں۔

باہر ہلکی ہلکی پھوہار پڑرہی تھی چھبیلی آگ کے پاس بیٹھی اپنے دوستوں کا اِنتظار کررہی تھی۔ کِرن اور چندا کے علاوہ چھبیلی نے اپنے سب سے

بڑے دوست چھیلا کو بھی چائے پر بُلایا تھا۔ چھیلا بستی بھر میں سب سے زیادہ خُوبصُورت چوہا تھا۔ اسے کپڑے لتّے کا بہت شوق تھا۔ بستی والوں نے کبھی اُسے میلے کپڑے پہنے نہ دیکھا تھا۔

جِس طرح چوہوں میں چھیلا کی دُھوم تھی اُسی طرح چوہیّوں میں چھبیلی کا چرچا تھا۔ بستی میں سب سے شان دار گھر چھبیلی ہی کا تھا۔ بات یہ تھی کہ اُس کے باپ دادا سینکڑوں برس سے اِسی گھر میں رہتے آئے تھے۔ اِس لیے وہ طرح طرح کے ساز و سامان سے بھرا پڑا تھا۔ دیواروں پر چھبیلی کے بُزرگوں کی بڑی بڑی تصویریں ٹنگی تھیں۔ جگہ جگہ قسم قسم کے پُھول دان رکھّے تھے۔ شیشے کی الماریوں میں قیمتی کتابیں چُنی ہُوئی تھیں۔ غرض کہ دنیا کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اِس گھر میں موجود نہ ہو۔
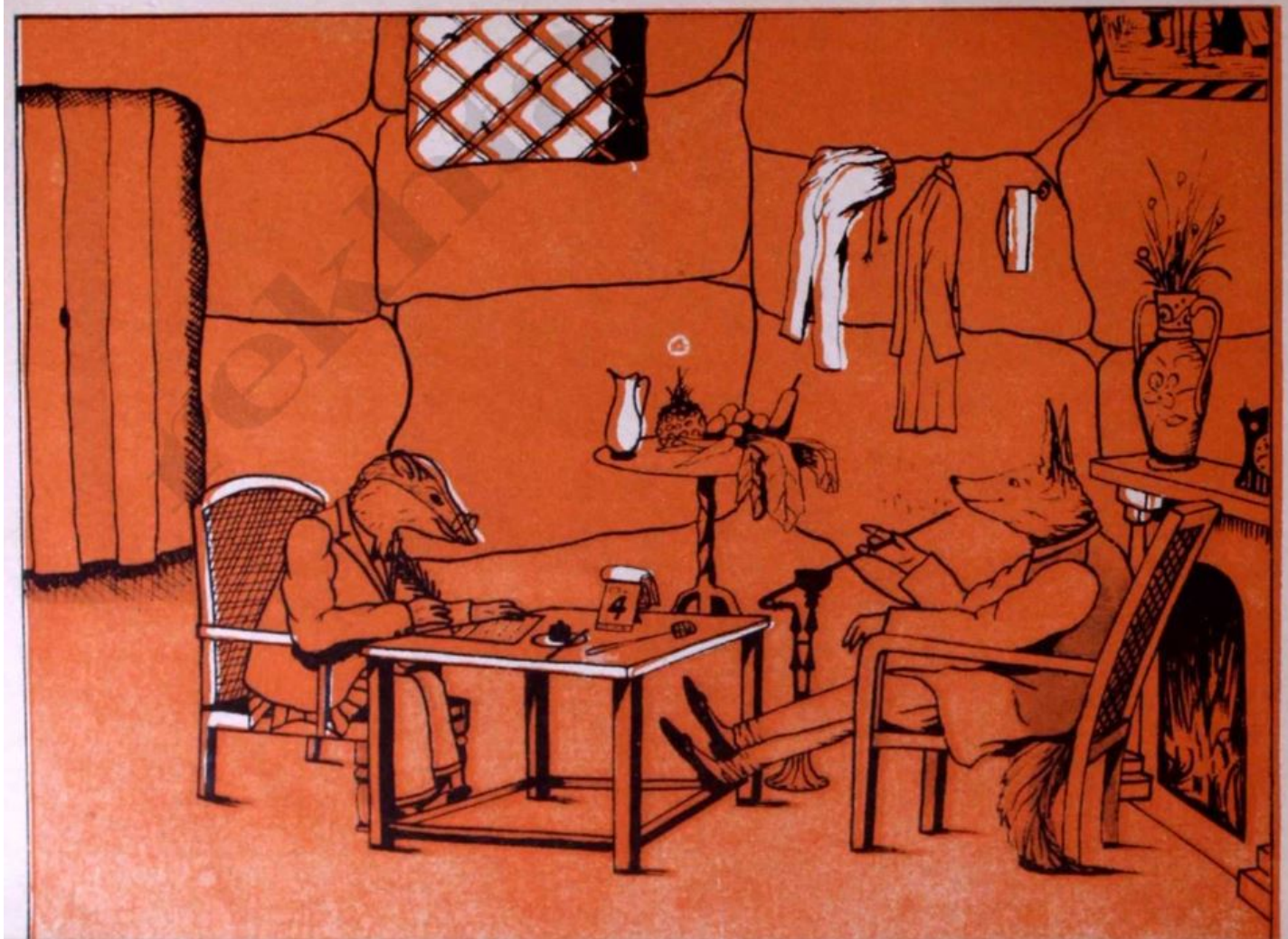
چھبیلی کُرسی پر بیٹھی مہمانوں کا اِنتظار کر رہی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ چھبیلی دوڑی گئی، ہال کمرے کے کواڑ کھولے تو دیکھا کہ کِرن اور چندا بڑا سا چھاتا لگائے کھڑے ہیں۔

چھبیلی بولی "آہا، آئیے آئیے، آج تو تم نے بہت راہ دکھائی۔" پھر آگے بڑھ کر بڑے تپاک سے کِرن سے گلے ملی۔ چندا سے ہاتھ ملایا اور انھیں ہال کمرے میں لے آئی۔ یہاں مہمانوں نے اپنی برساتیاں اُتاریں، اور چندا نے باہر جاکر گیلا چھاتا سوکھنے کے لیے برآمدے میں رکھ دیا۔ پھر چھبیلی بولی "چلو چل کر آگ کے پاس بیٹھیں۔ بارش کی وجہ سے سردی اور بھی چمک اُٹھی ہے۔" یہ کہہ کر جب وہ کمرے کی طرف چلنے لگی تو کِرن بولی "چھبیلی بُوا، اپنی سالگرہ کا تحفہ تو لے لو۔ خدا کرے تمھیں پسند آجائے، ہم نے اِسے بڑے پریم سے تیّار کیا ہے۔" ڈبّہ دیکھ کر چھبیلی کی

باچھیں کِھل گئیں اور مُنہ خوشی کے مارے سُرخ ہوگیا۔ ڈبّہ میز پر رکھ کر
جلدی جلدی کھولا۔ تو دیکھا کہ بڑا خُوبصُورت کامدانی کا نارنجی ریشمی
ڈوپٹہ، ہری قمیص اور اُودا لہنگا ہے، معلُوم ہوتا تھا کہ دُلہن کا جوڑا
ہے۔چھبیلی نے کِرن کی گردن میں باہیں ڈال کر کہا: "پیاری کِرن،
بہت بہت شُکریہ۔کیسا پیارا جوڑا لائی ہو، جی چاہتا ہے تُمہارے ہاتھ
چُوم لوں" پھر بولی "اے ہے اِس جوڑے کی خوشی میں چائے تک
بُھول گئی۔ چلو چل کر چائے پئیں" وہ دونوں دوستوں کو مُلاقات کے
کمرے میں لے گئی۔ اور اُن کو آرام سے بِٹھا چکی تو بولی "آج
میں نے چھیلا کو بھی چائے پر بُلایا تھا، نہ جانے کہاں رہ گیا۔ وہ
تو ہمیشہ وقت پر پُہنچتا ہے، خدا کرے خیریت سے ہو۔ خیر میں
چائے بناتی ہوں وہ آتا ہوگا"

چھبیلی نے جلدی سے چائے بنائی اور سب نے پینا شروع کی - چندا نے سب سے پہلے پستے کی لوز پر ہاتھ مارا - چھبیلی نے سب مہمانوں کی من بھاتی چیزیں تیار کی تھیں - چندا کو پستے کی لوز، کرن کو رس گُلّے اور چھیلا کو گرم گرم خستہ کچوریاں بے حد پسند تھیں - چھبیلی اور اُس کے دونوں دوست مزے سے چائے پی رہے تھے کہ کسی نے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا - ڈر کے مارے سب اُچھل پڑے - چھبیلی نے دوڑ کر دروازہ کھولا تو حیرت سے اس کے منھ سے چیخ نکل گئی - چھیلا پہچانا نہ جاتا - اس کے صاف ستھرے نفیس کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے بال بکھرے ہوئے اور بچارے کا سانس پیٹ میں نہ سماتا تھا - سر سے پاؤں تک کیچڑ میں تو سَن ہی رہا تھا مگر دُم سے خون جاری تھا جسے اُس نے کس کر رومال سے پکڑ رکھّا تھا - چھبیلی کے ہوش ٹھکانے

ہُوئے تو چھیلا کا ہاتھ تھام کر جلدی سے اندر لائی اور آرام سے
کُرسی پر بٹھا کر خود مرہم پٹّی کا سامان لینے گئی۔ سب چیزیں لاکر پہلے
چھیلا کی دُم دُھوئی مرہم لگا کر پٹّی باندھ دی پھر بولی "لو بس اب تھوڑی
سی چائے پی لو اور پھر بتاؤ کیا ماجرا ہے۔" چھیلا نے چائے کی پیالی
ہاتھ میں لے کر اپنی بیتی شروع کی "بس آج تو خیر ہوگئی بال بال بچا۔ دو
چار روز سے بنگلے میں ایک آدمی اور اُس کا کُتّا آکر بس گئے ہیں۔"
اِس نئی خبر کو سُن کر سب کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی اور تینوں ایک
دم بولے: "یہ تو تُم نے بہت بُری خبر سُنائی۔"
در اصل بات یہ تھی کہ جس کھیت کے نیچے اِن سب کے گھر تھے اُس
کے پاس ہی جنگل میں ایک چھوٹا سا پُرانا بنگلہ تھا۔ برسوں سے خالی پڑا تھا۔
یہی وجہ تھی کہ اِس بستی کے سب رہنے والے بے کھٹکے بنگلے میں آیا

جایا کرتے تھے۔

چھیلا بولا: "ابھی پرسوں کی بات ہے میں جنگل کی طرف سے آرہا تھا، بڑے برگد کے پیڑ پر سے کسی نے مجھے پکارا۔ یہ حکیم اُلّو خاں تھے جو ابھی ابھی سوکر اُٹھے تھے۔ میں نے حیرت سے پوچھا آپ یہاں کہاں؟" بولے "کیا پوچھتے ہو یار، ناک میں دم ہے۔ میں تو مرتے مرتے بچا۔ دو تین روز کی بات ہے میں پڑا سو رہا تھا۔ ایک دم گھبراکر آنکھ جو کھلی تو دیکھتا ہوں کہ میرے گھر میں چاروں طرف دُھواں بھرا ہے اور سانس لینا مُشکل ہے۔ اتنے میں دُھواں اور بڑھا تو کھانسی اُٹھنے لگی اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ پتہ لگانے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک آدمی جو اِس بنگلے میں آکر بس گیا ہے اپنا کمرہ گرم کرنے کے لیے انگیٹھی میں آگ جلا رہا ہے۔ مجبور تھا، مرتا کیا نہ کرتا۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور برسوں کا

بسا بسایا گھر یوں چھوڑنا پڑا۔ اب اِس گھر میں رہتا ہوں مگر وہ بات کہاں، ہر وقت ہوا کے تھپیڑے لگتے رہتے ہیں۔ خیر بھئی کیا کریں۔ جیسی گزرے گی گزار لیں گے۔"

چھیلا نے کہا: "اُس وقت اُلّو خاں کی بات پر میں نے زیادہ دھیان نہ دیا۔ سمجھا کہ افیم کے نشے میں ہیں اور نہ جانے کیا بڑ بڑا رہے ہیں۔ مگر آج جب میں یہاں آنے کے لیے تیّار ہو رہا تھا کسی نے میرے گھر کے باہر کچھ کھڑ بڑ شروع کی، میں نے دروازہ جو کھولا تو دیکھا کہ باہر کی طرف سے کسی کُتّے کی کالی کالی خوفناک تھوتھنی گھر میں گُھسی چلی آرہی ہے، بہت کوشش کی کہ دروازہ بند کردوں مگر کہاں۔ کیا بتاؤں اس وقت مجھ پر کیا گزری! بس اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے۔ کُتّے نے مجھے پکڑنا چاہا میں تو اس کے پنجے سے نِکل آیا مگر موذی نے میری دم پر بچ بچا کر ایسا دانت مارا کہ

تارے دکھائی دینے لگے، مجھ سے اور تو کچھ نہ بن پڑا پلٹ کر اُس کی کالی کالی تھوتھنی پر اِس زور سے کاٹا کہ بِل بِلا گیا اور فوراً میری دُم چھوڑ دی۔"

چندا بولا: "واہ میاں چھیلا واہ، خُوب مزا چکھایا تُم نے اُسے۔" کِرن بولی: "چھیلا بھیّا خدا کا شُکر ہے تُمہاری جان بچ گئی۔ دُم کا کیا ہے دو چار روز میں اچھّی ہو جائے گی۔" چھیلا نے کہا: "مرہم پٹّی سے اب دُم میں تکلیف کم ہے۔ لاؤ تو چھبیلی ایک کچوری اور ایک چائے کی پیالی۔"

چھیلا کچوری کھا ہی رہا تھا کہ معلوم ہوا زلزلہ آگیا۔ اور ساتھ ہی چھت سے ڈھیروں مٹّی میزوں اور کُرسیوں پر گرنے لگی۔ چائے دانی اور دُودھ دان زمین پر لُڑھک گئے۔ چھبیلی اور کِرن نے رونا اور چلّانا شُروع کردیا۔ یہ چیخ پُکار ابھی کم نہ ہوئی تھی کہ کُتّے کا پنجہ چھت میں سے اندر

آتا دکھائی دیا۔ سب کے رہے سہے ہوش اُڑ گئے۔ آخر کار چھبیلی ذرا ہمّت کرکے چلّائی "چلو چور دروازے سے نکل کر بھاگ جائیں۔" یہ سُن کر سب کے سب کھانے پینے کی چیزیں چھوڑ چھاڑ چھبیلی کے پیچھے ہو لیے اور اندر ہی اندر گلیوں میں ہوتے ہوئے بجّو کے ہاں پہنچے۔ وہ اپنے کپڑے دھو دُھلا کر انھیں آگ کے سامنے پھیلائے آرام سے کُرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

آنے والوں کے پاؤں کی آہٹ سُن کر گھبرا کر چونکا اور جب یہ سب کمرے میں آگئے تو اُس نے اُٹھ کر جھٹ پٹ دروازہ بند کردیا اور حیرت سے اُن کے اِس طرح بے وقت آنے کی وجہ پوچھی۔ ساری بپتا سُننے کے بعد بولا: "بھئی یہ تو بہت بُرا ہُوا۔ تُمھارے کہنے سے مجھے بھی خیال ہوتا ہے کہ گُل دُم ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی (گُل دُم ایک

لومڑی تھی جو بجّو کے ساتھ اُس کے مکان میں رہا کرتی تھی) میں کچھ نہیں تو سو دفعہ گُل دُم سے کہہ چُکا ہوں کہ وہ چاند نکلنے سے پہلے باہر نہ جایا کرے، مگر وہ میری ایک نہیں سُنتی۔ پریشان کردیا ہے اِس نے۔"

بجّو کی بات سُن کر یہ اور سہم گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بجّو بولا: "پریشان ہونے کی بات نہیں، گُل دُم ابھی آتی ہی ہوگی۔ بھلا اُسے کون پکڑ سکتا ہے۔ چھبیلی بہن کچھ گانا سُناؤ کہ دل بہلے، ایسا گیت ہو کہ ہم سب مِل کر گا سکیں۔"

چھبیلی بولی: "بجّو بھیّا لاؤ تُمھارے پھٹے پُرانے کپڑوں کی مرمّت کردوں، رفو بھی کرتی جاؤں گی اور گاتی بھی جاؤں گی۔" بجّو جاکر اپنے پھٹے ہوئے موزے اور سُوئی تاگا لے آیا۔ چھبیلی نے رفو کرنا شُروع کیا اور ایک بہت مشہور گیت چھیڑا جس کو یہ سب مِل کر گانے لگے۔

کھود کھود رے نوجوان
کھود کھود رے نوجوان
رُکنا تیرا کام نہیں کھودنا تیری شان
تو کھودے چلا جا تو آگے بڑھے جا
کھیت ہو یا مکان
کوٹھا ہو یا مچان
تو کھودے چلا جا
تو آگے بڑھے جا
رُکنا تیرا کام نہیں کھودنا تیری شان
تو کترے چلا جا تو کاٹے چلا جا
کپڑا ہو یا تھان

گندم ہو یا دھان
تو کاٹے چلا جا
تو کترے چلا جا
رُکنا تیرا کام نہیں کاٹنا تیری شان

ابھی سب جُھوم جُھوم کر اور تالیاں بجا بجا کر یہ گیت گا ہی رہے تھے کہ سامنے کا دروازہ پھٹ سے کُھلا اور گُل دُم چھیلا سے بھی زیادہ بُری حالت میں اندر آئی۔ سر سے پاؤں تک کیچڑ میں سَنی ہُوئی، مُنھ غُصّے کے مارے سُرخ، آتے ہی بولی: "ساری عُمر کبھی میری ایسی بھدنہیں ہُوئی کہ ایک ذلیل سے کُتّے نے یوں مجھے میلوں دَلدل اور کیچڑ میں بھگایا ہو اور یہی نہیں ایک آدمی نے بھی مجھُ پر گولی چلائی۔ بھلا بتاؤ تو کوئی حد بھی ہے بدتمیزی کی۔ صدیوں سے ہم لوگ یہیں بستے چلے آئے ہیں۔

کبھی کسی کی مجال نہ ہوتی کہ ہم پر گولی چلائے۔ میں بھی بدلہ لے کر نہ چھوڑوں تو گل دُم نام نہیں۔" گل دُم یہ کہتی جاتی تھی اور میز کو ٹکّوں سے پیٹتی جاتی تھی۔ جب اُس کا غُصّہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو نہانے گئی اور تھوڑی دیر کے بعد صاف سُتھری ہوکر واپس آئی۔

بجّو نے کہا: "بس ایک بات تو میں نے طے کرلی ہے کہ اب آدمی اور اس کے کُتّے کو بنگلے سے نِکال کر ہی دم لیں گے، اگر یہ نہ نکلے تو ہمارا کہیں ٹھکانہ نہ رہے گا۔ مگر آپ لوگ بتائیے کہ اِن دونوں کو نکالیں کیسے؟"

سب سے پہلے چھیلا بولا "ایک ترکیب میری سمجھ میں آتی ہے، ہم سب مِل کر اُس مکان کو کھود کر گِرادیں۔ تُوڑ پھُوڑ کا کام تو میرے باپ دادا صدیوں سے کرتے آئے ہیں۔ اور ہمارا خاندان اِس فن میں اُستاد مانا گیا ہے۔"

بجّو بولا "بات تو خُوب ہے مگر اِس میں دیر بہت لگے گی اور اِس عرصے میں نہ معلوم کیا سے کیا ہو جائے۔ ہمیں تو چاہیے کہ جس قدر جلد ہو سکے ان کو نکال دیں۔ اِن دونوں کا تو ایک دِن بھی یہاں رُکنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہماری بستی کے سب رہنے والے اِنھیں ڈرا کر یہاں سے بھگا دیں۔"

گُل دُم بولی: "بھئی واہ کیا ترکیب نِکالی۔ دِل خوش ہو گیا۔ میں تو اکیلی ہی چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا سکتی ہوں۔ اور پھر میری چیخ پکار سے اِنسان ڈرتا بھی بہت ہے۔"

مشورہ ہونے کے بعد آخر میں یہ طے پایا کہ جنگل کے سب باسیوں کو بلا کر ایک جلسہ کیا جائے۔ یہ چاروں اُٹھ کر بجّو کے ساتھ اُس کے دفتر میں گئے اور کام شروع ہُوا۔ کمرے میں بِالکُل خاموشی تھی ہاں کبھی کبھی قلم

کی چر چراہٹ اور گُل دُم کے اطمینان سے سانس لینے کی آواز ضرور آتی تھی۔
گُل دُم بڑے اطمینان سے حُقّہ پی رہی تھی۔ اِن سب میں چونکہ عقل مند اور
چالاک صِرف بِجّو اور گُل دُم سمجھے جاتے تھے اِس لیے وہ دونوں تو میز پر
لِکھنے پڑھنے لگے اور باقی تینوں چُپ چاپ کونے میں کُرسیاں ڈال کر
بیٹھ گئے اور پاس ہی تشتری میں رکھّے ہُوئے خُربوزے کے بیج چِھیل چِھیل
کر کھانے لگے۔

گُل دُم خُوب سمجھتی تھی کہ بِجّو بھیّا ہی کوئی نہ کوئی عُمدہ ترکیب نِکالیں
گے اِس لیے وہ بھی خاموش بیٹھی حُقّہ کا دھواں اُڑا رہی تھی۔ بہت دیر کُچھ
سوچ سوچ کر لکھنے کے بعد بِجّو بولا: "میری تو سمجھ میں ایک ہی ترکیب
آتی ہے، وہ یہ کہ گُل دُم کل جاکر بنگلے کو دیکھتی رہے اور جب آدمی اور
کُتّا گاؤں چلے جائیں تو یہ زور سے پُکار کر سب کو خبر دے جِس کا

مطلب یہ ہوگا کہ میدان صاف ہے اور جنگل کے باسی بنگلے میں جمع ہوجائیں۔ میں نے سب کے نام خط لکھ دیے ہیں۔ گُل دُم اور چھیلا کل صبح سویرے یہ خط بستی والوں کے نام پُہنچادیں۔ اب رات بہت گئی ہے آپ لوگ مہمان کمروں میں جاکر سوئیے اور میں بھی جاکر سوتا ہوں، خدا حافظ!"

دوسرے روز صبح سویرے کرن اور چندا اپنے گھر کی طرف روانہ ہُوئے اور چھیلا مینڈک پور پُہنچا۔ وہاں کے باسی چھیلا کو دیکھ کر بہت خوش ہُوئے اور وقت پر بنگلے میں پُہنچنے کا اقرار کیا۔

گُل دُم نے اُٹھ کر جنگل کی راہ لی اور سب سے پہلے گلہریوں کو اُن کے نام کا خط پُہنچایا، اُن کے خط میں یہ لکھّا تھا کہ جس قدر اخروٹ اور بادام اور طرح طرح کے سُوکھے میوے ان کے گودام میں جمع ہیں لے کر آدمی اور اس کے کُتّے کو پیٹنے کے لئے مُقرّرہ وقت پر بنگلے پر آجائیں۔

مینڈکوں کو خط پُہنچانے کے بعد چھیلا حکیم اُلّو خاں کے ہاں پُہنچا، وہ اُس وقت درخت کے سُوراخ میں بیٹھے اُونگھ رہے تھے. چھیلا کو دیکھ کر جھلّائے اور کچّی نیند سے جگائے جانے کی شِکایت کرنے لگے. مگر جب بجّو کا خط پڑھا تو بہت خُوش ہوئے اور خود آنے اور اپنے بھائی کو بھی ساتھ لانے کا وعدہ کیا۔

اُسی دن شام کو چھ بجے کے قریب گُل دُم بنگلے کے پاس ایک جھاڑی کے پیچھے چھُپ کر بیٹھ گئی۔ یہاں سے بنگلہ اُسے صاف دکھائی دے رہا تھا، جب اُسے اس طرح بیٹھے بیٹھے گھنٹہ بھر گزر گیا اور اُس کی گردن دُکھ گئی، آنکھیں گھُورتے گھُورتے پتھرا گئیں تو قریب تھا وہ بے آس ہو کر واپس چلی جائے کہ یکایک دروازہ کھُلا اور وہ آدمی اپنے کوٹ کے بٹن بند کرتا ہُوا نِکلا، اُس کے پیچھے پیچھے کُتّا بھی دُم ہلاتا اور جھاڑی کی طرف مُنہ
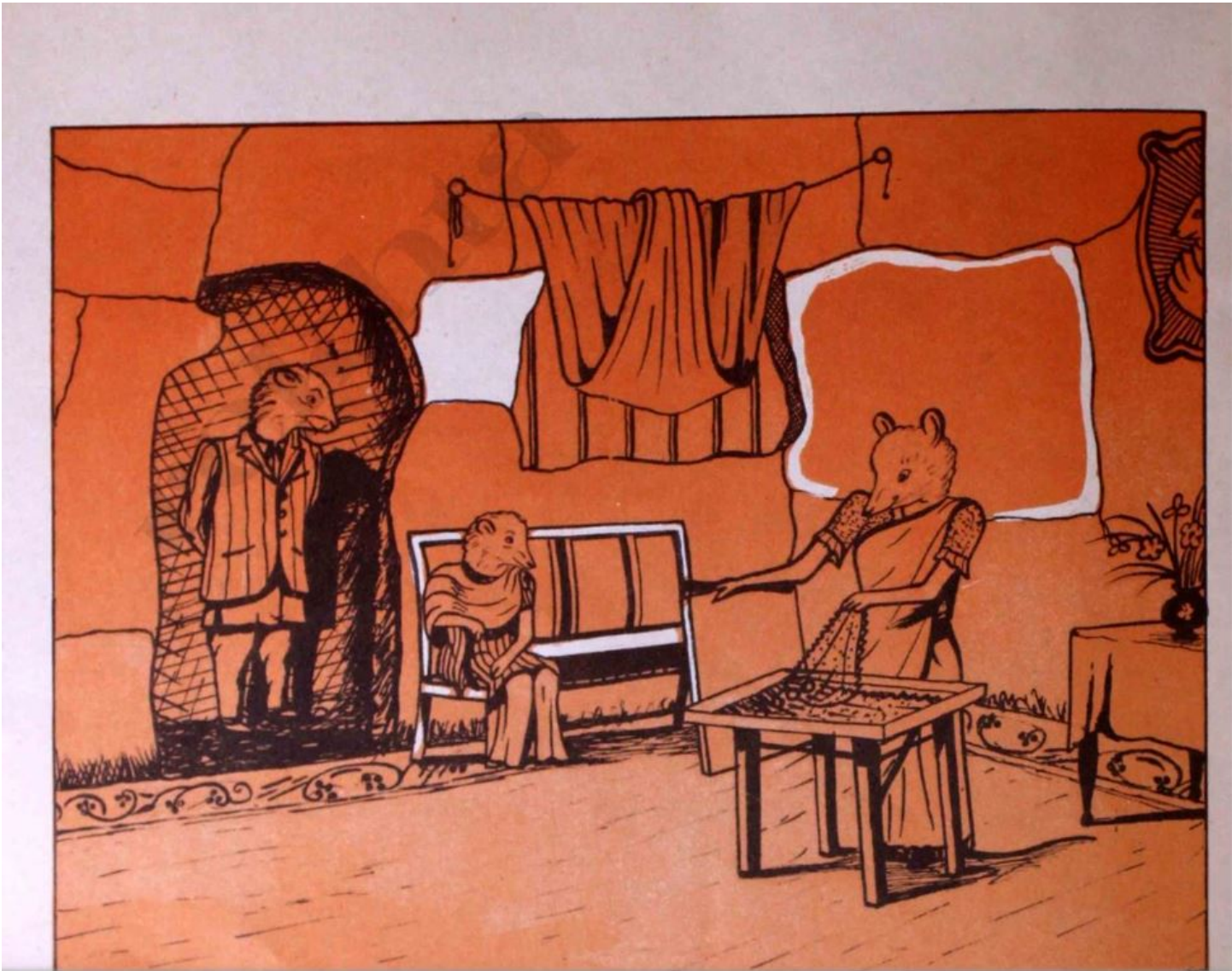
اُٹھا اُٹھا کر کچھ سُونگھتا ہوا آگے بڑھا، قریب تھا کہ وہ گُل دُم پر جھپٹے کہ آدمی نے سیٹی بجاکر کُتّے کو بُلایا، سیٹی کی آواز سُنتے ہی کُتّا مالک کے پیچھے ہولیا۔

جب تک یہ دونوں نظروں سے غائب نہیں ہوگئے گُل دُم دبک کر خاموش بیٹھی رہی، پھر مُنھ اُٹھاکر زور زور سے آؤ آؤ آؤ کیا۔ اِس خیال سے کہ شاید کسی نے نہ سُنا ہو ایک دفعہ پھر آواز لگائی۔ گُل دُم تیسری دفعہ پھر چلّانے کو ہی تھی کہ دُور سے اُسے بجّو آتا دِکھائی دِیا۔

گُل دُم اور بجّو دونوں بنگلے کے اندر گئے تو دیکھا کہ انسان لیمپ جلتا چھوڑ گیا ہے۔ بجّو نے اِدھر اُدھر پھر کر کمرے کو اچھّی طرح دیکھا بھالا پھر اُچک کر ایک کُرسی پر چڑھ کر بولا: "میرے خیال میں اِس جلسے کا صدر مجھے ہونا چاہیے اور ایک تقریر بھی کرنا چاہیے، کیوں گُل دُم تمھارا کیا خیال ہے؟"

اِتنے میں سب جانور جمع ہو گئے بجّو اِتنے بہت سے دوستوں کو دیکھ کر

بہت خُوش ہُوا۔ وہ سب اس کی کُرسی کے چاروں طرف جمع ہو گئے تو بجّو نے سب کو چُپ رہنے کو کہا اور اپنی تقریر یوں شروع کی:
"بھائیو اور بہنو! مجھے بڑی خُوشی ہے کہ آپ سب لوگ تشریف لے آئے، یہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہو گا کہ آج ہم کیوں جمع ہوئے ہیں؟"
سب ایک زبان ہوکر بولے: "دُشمن کو نکالنے کے لیے۔" بجّو بولا: "شاباش! میں چاہتا ہوں کہ آدمی کے واپس آنے سے پہلے آپ سب بڑی احتیاط سے اِس کمرے میں چھُپ جائیں، اور جب تک میں کھانسوں نہیں کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلنے پائے، کھانسی کی آواز سُنتے ہی کمرے میں اِدھر اُدھر بھاگنا دوڑنا اور چیخنا پُکارنا شروع کردیں۔" پھر اُلّو خاں کی طرف دیکھ کر بولا: "حکیم جی آپ اور آپ کے بھائی اس الماری پر چڑھ کر بیٹھ جائیں اور کھانسی کی آواز سُنتے ہی اِنسان کے مُنہ کے پاس جاجا کر پھڑپھڑانا شروع کردیجیے، گُل دُم تُم

اور میں اِس بستر میں جاکر چُھپ جائیں گے اور جب آدمی اپنے گھر کو جانوروں سے بھرا پائے گا تو پناہ لینے بستر میں گُھسنے کی کوشش کرے گا اُس وقت ہوگی ہماری باری، ہم اسے نوچنا اور کاٹنا شروع کردیں گے، اُس وقت گلہریاں کس کس کے نشانے لگائیں گی۔ خدا نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ اور اگر کوئی خرابی ہوئی تو تم سب اطمینان رکھو میں اور گُل دُم اسے مل کر ٹھیک کرلیں گے۔" سب نے مل کر تالیاں بجائیں اور "بجّو بھیّا کی جے" کہتے ہوئے کمرے میں جگہ جگہ چھپنے کی کوشش کرنے لگے۔

سب نے اچھّی اچھّی جگہیں ڈھونڈنا شروع کیں۔ چلمچیوں میں مینڈک، پیالوں میں چوہے، الماریوں پر اُلّو، جوتوں میں نیولے، پردوں کے پیچھے گلہریاں۔ غرض کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں کوئی چھپا نہ ہو۔ گُل دُم جاکر بستر میں گُھس گئی۔ جب سب چُھپ کر خاموش بیٹھ گئے تو بجّو نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی،

کمرہ بالکل ویسا ہی خالی معلوم ہو رہا تھا جیسے جانوروں کے آنے سے پہلے تھا۔ پھر وہ خود بھی بستر میں گھس گیا۔ اِدھر تو یہ سب بندوبست ہو رہا تھا اور اُدھر سے آدمی اور اُس کا کُتّا گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ بالکل اندھیری رات تھی۔ ہوا چاروں طرف سائیں سائیں کر رہی تھی۔ آدمی کو اس وقت اپنے دوستوں کو چھوڑ کر اُس اکیلے گھر کو لوٹنا بہت کھَل رہا تھا ایسی ٹھنڈی رات میں اُس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے دوستوں کے پاس بیٹھا آگ تاپتا رہے۔ بنگلے کا دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے بولا: "چلو میاں کُتّے تُمھیں کچھ کھانے کو دوں اور پھر اپنے لیے گرم گرم چائے بناؤں۔" کُتّے نے جب کھانے کا نام سُنا تو خوشی سے دُم ہلانے لگا، اِس کی ناک میں بڑے مزے مزے کی خوشبوئیں آ رہی تھیں کسی کونے میں سے نرم نرم مُنّی سی چوہیا کی، کہیں سے موٹی سی گلہری کی، کہیں سے مزے دار

لومڑی کی، قریب تھا کہ کُتّا کسی چُوہیّا کو پکڑلے کہ بِجّو زور سے کھانسا
اس کا کھانسنا تھا کہ سب جانور اپنی اپنی جگہوں سے کود پڑے اور
کمرے میں دیوانوں کی طرح گھومنے لگے۔ چوہوں نے اِدھر سے اُدھر دوڑنا،
مینڈکوں نے پُھدکنا شروع کیا، گلہریاں تان تان کر نِشانے لگانے لگیں
اُلّوؤں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جلدی جلدی آدمی کے مُنہ کے قریب اُڑنے
لگے۔ غرض کہ عجب طوفانِ بے تمیزی برپا کردیا۔ کُتّے نے جو چوہوں کو
اِدھر سے اُدھر دوڑتے دیکھا تو کبھی اِدھر مُنہ مارتا کبھی اُدھر مگر آج
چوہیّاں کہاں اِس کے ہاتھ لگتیں سب نے مِل کر ایک دفعہ جو بچارے
کُتّے کا پیچھا لیا تو غریب کا سر چکرانے لگا۔ آدمی بوکھلا کر کُرسی پر چڑھ
کر کھڑا ہوگیا تو اُلّوؤں نے اُس کے سر کے قریب زور زور سے اُڑنا
اور چیخنا شرُوع کیا۔ کوئی اُس کے سر سے ٹکراتا تو کوئی اُس کے کان

سے، کوئی اِس کی ناک نوچ لیتا۔ آدمی بچارے کو اِن پر بھوتوں کا دُھوکا
ہُوا، رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے، ڈر کر بستر میں گھُس گیا وہاں بجّو
اور گل دُم نے اُس کی خُوب گت بنائی۔ بچارے کو چار و نا چار بھاگتے
ہی بنی۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے اس کا کُتّا، سر پر پاؤں رکھ کر
بھاگے اور پھر کبھی بھُولے سے بھی بنگلے کا رُخ نہ کیا۔

جب سب جانور ذرا خاموش ہُوئے تو بجّو نے کُرسی پر کھڑے ہو کر
سب کا شُکریہ ادا کیا اور کہا: "خدا کا شُکر ہے ہمیں اُس نے آدمی
اور اُس کے کُتّے سے چھُٹکارہ دلوایا اب آپ سب لوگ اطمینان سے
اپنے اپنے گھروں کو واپس جا سکتے ہیں۔"

حکیم جی بولے "بالکُل درست کہا آپ نے۔ آپ سب گھر جائیے اور
میں بھی جا کر گھر ٹھیک ٹھاک کرتا ہوں تاکہ صُبح تک سونے کے قابل

ہو جائے۔" گُل دُم نے جا کر انگیٹھی کی آگ بُجھائی اور حکیم جی اُڑ کر اپنے پُرانے بسیرے میں پہنچ گئے۔

یہ سب کے سب جانور آج بہت خُوش تھے۔ مگر بچاری چھبیلی اپنا گھر گر جانے سے بڑی غمگین تھی۔ چھیلا چھبیلی کو رنجیدہ دیکھ کر بولا: "غم کیوں کرتی ہو چلو میں تُمھارے ساتھ چلوں، دیکھیں تو تُمھارے گھر کا کیا حال ہے۔ جب چھیلا اور چھبیلی وہاں پُہنچے تو دیکھا کہ گھر کی چھت بالکُل ٹوٹی پڑی ہے مگر چیزیں بہت سی محفوظ ہیں۔ دونوں نے مِل کر بزرگوں کی تصویریں اور قیمتی چیزیں وہاں سے نکالیں۔ ابھی چھبیلی نِکال ہی رہی تھی کہ چھیلا بولا: "پیاری چھبیلی ایک بات کہوں جو تُم مان لو۔" چھبیلی نے کہا: "ہاں ہاں ضرور کہو۔" چھیلا آنکھیں نیچی کر کے بولا: "چھبیلی اگر تم مُجھ سے شادی کر لو تو کیا ہی اچھا ہو، تمھیں بنا بنایا گھر اور مجھے اچھّی سی بیوی مِل جائے گی۔

ہاں البتہ میرے گھر کا سامنے کا دروازہ بالکل ٹوٹ گیا ہے وہ ہم دونوں مل کر اور لگالیں گے باقی گھر بالکل محفوظ ہے تمھیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔"

شادی کا پیام سُن کر چھبیلی شرما گئی، منہ سے تو کچھ نہیں بولی مگر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ اُسی وقت سب کو شادی کا بُلاوا بھیجا گیا۔ دعوت بجّو کی طرف سے ہوئی۔ چھبیلی نے کرن کا دِیا ہُوا جوڑا اور چھیلا کا لایا ہُوا نتھ اور ٹیکا پہنا اور خوب دھوم کا بیاہ رچایا گیا۔ سب بستی والے کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک اتنی خوبصورت دُلھن نہیں دیکھی۔